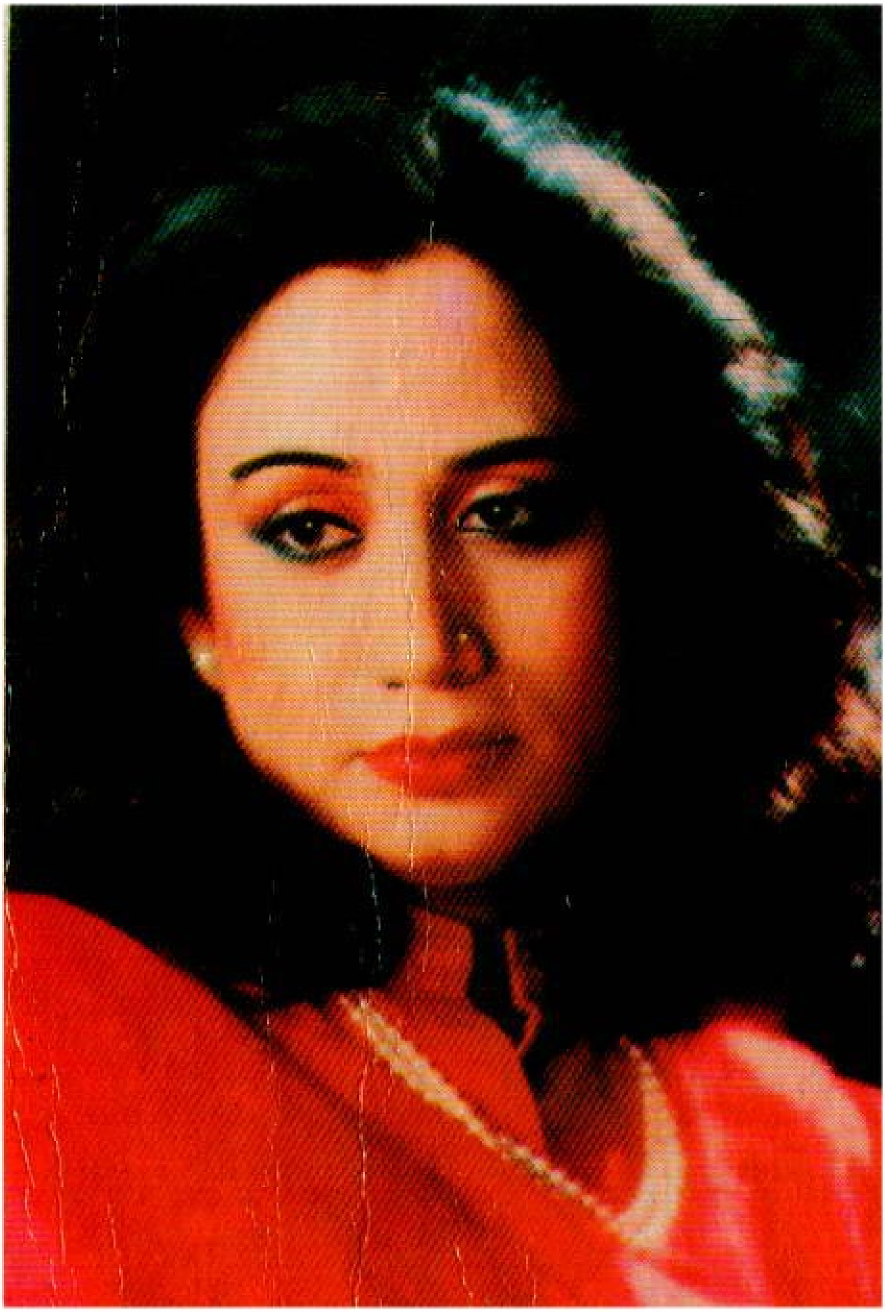
عکسِ خوشبو



عکسِ خوشبو

موت کی آہٹ سنائی دے رہی ہے دل میں کیوں
کیا محبت سے بہت خالی یہ گھر ہونے کو ہے

مرحومہ پروین شاکر کے نام !

پروین شاکر عہدِ حاضر کی معروف شاعرہ اور جوان دھڑکنوں کی ترجمان۔
ابھی وقت تو نہیں تھا راہیِ عدم ہونے کا.... ابھی ادب کو ان کی مزید ضرورت تھی...
مگر..... خداوندِ کریم کی مرضی کے آگے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

پروین شاکر ایک ایسی ہستی جس نے بہت ہی کم عرصہ میں خوشبو کی طرح نہ صرف پاکستان بلکہ بیرونِ ملک بھی ادب کے دلدادہ لوگوں کے ذہنوں کو معطر کر دیا۔ ابھی بھی کانوں میں وہی روح فرسا گونج سنائی دیتی ہے کہ "پروین شاکر ہم سے جُدا ہو گئی"...... ایسی خبر جس نے کروڑوں دلوں پر بجلی گرا دی اور موت نے ایک اچھی شاعرہ کو ایسی مسافت پر بھیج دیا جہاں سے کوئی واپس نہیں آیا۔

موت کا ذائقہ لکھنے کے لئے
چند لمحوں کو ذرا مر دیکھوں

لیکن نہیں پروین شاکر زندہ ہے اور تا قیامت زندہ رہے گی۔ ادب کے دلدادہ لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں اپنی بے باک شاعری اور خیالات کی بدولت.... جس کی شاعری میں اگر محبت کی باتیں ہیں تو وہاں لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ رشتے کی بھی مذمت کی گئی ہے۔ جہاں لوگوں کی محرومی کا ذکر ہے وہاں حکومتِ وقت کو بھی نہیں بخشا گیا۔ اس کی اس بے باکانہ شاعری نے ہی اسے کم وقت میں ایک اچھی شاعرہ کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے۔ اور لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے ایک مقام بنا لیا ہے۔

کون چاہے گا تمہیں میری طرح
اب کسی سے نہ محبت کرنا

پروین شاکر مرحومہ کی اس خوبصورت شاعری کی میں کافی عرصے سے دلدادہ ہوں اور میری خواہش تھی کہ مرحومہ پروین شاکر کی خوبصورت شاعری عام لوگوں تک بھی پہنچے تاکہ وہ بھی اپنی محبوب ہستی کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کر سکیں۔

مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے، مرے ہونے کی گواہی دیں گے

مرحومہ پروین شاکر کے کلام سے چیدہ چیدہ انتخاب کو کتابی شکل دینے کی خواہش کی تکمیل کے لئے سلیمان برادرز ملتان نے میرے ساتھ جس طرح تعاون کیا میں ان کی انتہائی مشکور ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہ کلام پڑھ کر اپنی محبوب ہستی کو خراجِ عقیدت پیش کریں گے کیونکہ میرے نزدیک پروین شاکر کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا اس سے زیادہ کوئی اور بہتر طریقہ نہیں۔

بشریٰ ناصر

○

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

عارضِ گل کو چھوا تھا کہ دھنک سی بکھری
کس قدر شوخ ہے ننھی سی کرن کی خوشبو

زندگی، تجھ سے دور رہ کر، میں
کاٹ لوں گی جلا وطن کی طرح

شرمگیں لہجوں میں دھیرے سے کبھی چاہت کی بات
دو دلوں کی دھڑکنوں میں گونجتی تھی اک صدا

اس سے اک بار تو روٹھوں میں اسی کی مانند
اور مری طرح سے وہ مجھ کو منانے آئے

وہ سوتے جاگتے رہنے کے موسموں کا فسوں
کہ نیند میں ہوں مگر نیند بھی نہ آئی ہو

میں اس کی دسترس میں ہوں، مگر وہ
مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

وہ رت بھی آئی کہ میں پھول کی سہیلی ہوئی
مہک میں چمپا کلی، روپ میں چنبیلی ہوئی

خوش نہ تھا مجھ سے بچھڑ کر وہ بھی
اسکے چہرے پر لکھا تھا، لوگو

ایک اک کر کے مجھے چھوڑ گئیں سب سکھیاں
آج میں خود کو تیری یاد میں تنہا دیکھوں

میرے ماتھے پہ ترے پیار کا ہاتھ
روح پر دست صبا ہو جیسے

یاد کر کے مجھے، نم ہو گئی ہوں گی پلکیں
آنکھ میں پڑ گیا کچھ کہہ کر یہ ٹالا ہو گا

ہمیں خبر ہے، ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا کہ ذرا دیر کو رکے بھی نہیں!

مجھ پر چھا جائے وہ برسات کی خوشبو کی طرح
انگ انگ اپنا اسی رت میں مہکتا دیکھوں

دھنک کے رنگ میں ساری تو رنگ لی میں نے
اور اب یہ دکھ، کہ پہن کر کسے دکھانا ہوا

مل کے اس شخص سے میں لاکھ خموشی سے چلوں
بول اٹھی ہے نظر، پاؤں کی چھاگل کی طرح

وہ دلنواز لمحے بھی گئی رتوں میں آئے۔ جب
میں خواب دیکھتی رہی، وہ مجھ کو دیکھتا رہا

سکون دل کے لئے میں کہاں کہاں نہ گئی
مگر یہ دل، کہ سدا اس کی انجمن میں رہا

وصل میں تیرے خرابے بھی لگیں گھر کی طرح
اور تیرے ہجر میں بستی بھی ویرانہ ہمیں

کس دھیان سے پرانی کتابیں کھلی تھیں کل
آئی ہوا تو کتنے ورق ہی الٹ گئے

تم موج موج مثل صبا گھومتے رہو
کٹ جائیں میری سوچ کے پر، تم کو اس سے کیا

اب ان دریچوں پہ گہرے پردے ہیں
وہ تانک جھانک کا معصوم سلسلہ بھی گیا

تیرے تحفے تو سب اچھے ہیں مگر موج بہار!
اب کے میرے لئے خوشبوئے حنا آئی ہو

خیال و خواب ہوا برگ و بار کا موسم
بچھڑ گیا تیری صورت بہار کا موسم

وہ کہیں بھی گیا، لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی

لو! میں آنکھیں بند کیے لیتی ہوں، اب تم رخصت ہو
دل تو جانے کیا کہتا ہے، لیکن دل کا کہنا کیا

کون چاہے گا تمہیں میری طرح
اب کسی سے نہ محبت کرنا

ہجر کے پانیوں میں عشق کی ناؤ
کہیں غرقاب ہو گئی شاید

میں تھک گئی ہوں اس اندر کی خانہ جنگی سے
بدن کو "سامرا" آنکھوں کو "معتصم" کر لوں

بکھر چکا ہے مگر مسکرا کے ملتا ہے
وہ رکھ رکھاؤ ابھی میرے کج کلاہ میں ہے

طوفان ابر و باد میں سب گیت کھو گئے
جھونکا ہوا کا ہاتھ سے مضراب لے گیا

تجھے بھی ذوق نئے تجربات کا ہو گا
ہمیں بھی شوق تھا کچھ بخت آزمائی کا

میں سوچتی تھی، تیرا قرب کچھ سکوں دے گا
اداسیاں ہیں کہ کچھ اور بڑھ گئیں مل کر

میں بھنور سے تو نکل آئی، اور اب سوچتی ہوں
موج ساحل نے کیا ہے مجھے غرقاب کہاں

خوشبو ہے، چاندنی ہے، لب جو ہے، اور میں
کس بے پناہ رات میں تنہا کیا مجھے

راستوں کا علم تھا ہم کو نہ سمتوں کی خبر
شہر نا معلوم کی چاہت مگر کرتے رہے

کتنی رتوں سے میرے نیم وا دریچوں میں
ٹھہر گیا ہے تیرے انتظار کا موسم

نہ دے سکا مجھے تعبیر، خواب تو بخشے
میں احترام کروں گی تری بڑائی کا

اسے پکارا تو ہونٹوں پہ کوئی نام نہ تھا
محبتوں کے سفر میں عجب فضا آئی

ترک الفت کے بعد امید وفا
ریت پر چل سکی ہے ناؤ کبھی

جو خواب دینے پر قادر تھا، مری نظروں میں
عذاب دیتے ہوئے بھی مجھے خدا ہی لگا

لڑکیوں کے دکھ عجب ہوتے ہیں سکھ اس سے عجیب
ہنس رہی ہیں اور کاجل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

ابھی سے میرے رفوگر کے ہاتھ تھکنے لگے
ابھی تو چاک میرے زخم کے سلے بھی نہیں

دسترس سے اپنی، باہر ہو گئے
جب سے ہم ان کو میسر ہو گئے

چاند اتر آیا ہے گہرے پانی میں
ذہن کے آئینے میں جیسے عکس تیرا

کیسے ان لمحوں میں تیرے پاس آؤں
ساگر گہرا ، رات اندھیری، میں تنہا

تمام عمر کی نامعتبر رفاقت سے
کہیں بھلا ہو کہ پل بھر ملیں،یقیں سے ملیں

گل نہ ہو گا تو جشن خوشبو کیا
تم نہ ہو گے تو عید کیا ہوگی

دھیمے سروں میں کوئی مدھر گیت چھیڑیئے
ٹھہری ہوئی ہواؤں میں جادو بکھیریئے

وہ جب آئے گا تو پھر اس کی رفاقت کیلئے
موسم گل مرے آنگن میں ٹھہر جائے گا

آزمائش میں کہاں عشق بھی پورا اترا
حسن کے آگے تو تقدیر کا لکھا اترا

ان انگلیوں کا لمس تھا اور میری زلف تھی
گیسو بکھر رہے تھے تو قسمت سنور گئی

دن میں وحشت بہل گئی تھی
رات ہوئی اور نکلا چاند

میں اس سے کھل کے ملوں، سوچ کا حجاب اترے
وہ چاہتا ہے میری روح کا نقاب اترے

وہ نرم لہجے میں کچھ تو کہے کہ لوٹ آئے
سماعتوں کی زمین پر پھوار کا موسم

اتر رہی ہیں عجب خوشبوئیں رگ و پے میں
یہ کس کو چھو کے میرے شہر میں صبا آئی

میں عشق کائنات میں زنجیر ہو سکوں
مجھ کو حصار ذات کے شر سے رہائی دے

دھنک دھنک مری پوروں کے خواب کر دے گا
وہ لمس میرے بدن کو گلاب کر دے گا

کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

اب اسکا فن تو کسی اور سے ہوا منسوب
میں کس کی نظم اکیلے میں گنگناؤں گی

گھرے خنک اندھیرے میں اجلے تکلفات
گھر کی فضا بھی ہو گئی شیزان کی طرح

حل ہو گیا خون میں کچھ ایسے
رگ رگ میں وہ نام بہہ رہا ہے

تیز بارش ہو، گھنا پیڑ ہو، اک لڑکی ہو
ایسے منظر کبھی شہروں میں تو پائے نہ گئے

اس کی شہرت بھی تو پھیلی ہر سو
پیار آنے لگا رسوائی پر

دل پھٹنے لگا ہے ضبط غم سے
مالک! کوئی درد آشنا دے

قصور ہو تو ہمارے حساب میں لکھ جائے
محبتوں میں جو احسان ہو، تمہارا ہو

روشنی پائی نہیں، رات بھی باقی ہے ابھی
چاند سے ربط مگر ٹوٹ رہا ہو جیسے

منہ سے نہ بولے، نین مگر مسکاتے جائیں
اجلی دھوپ نہ بولے، رینا کالی گائے

سمندروں کی طرح میری آنکھ ساکت ہے
مگر سکوت میں کس بے کلی کی آمیزش

اسوقت تک کناروں سے ندی چڑھی رہے
جب تک سمندروں کے بدن میں اتر نہ جائے

دشت غربت میں جہاں کوئی شناسا بھی نہیں
ابر رک جائے ذرا دیر تو رحمت جانو

برف کے ہاتھ ہی، ہاتھ آئیں گے، اے موج ہوا
حدتیں مجھ میں، نہ خوشبو کے بدن میں، اب کے

کیا جانیئے، افق کے ادھر کیا طلسم ہے
لوٹے نہیں زمین پہ، اک بار جو گئے

دکھ سب کے مشترک تھے مگر حوصلے جدا
کوئی بکھر گیا تو کوئی مسکرا دیا۔

تصویر جب نئی ہے، نیا کینوس بھی ہے
پھر طشتری میں رنگ پرانے نہ گھولیئے

چلی ہے تھام کے بادل کے ہاتھ کو خوشبو
ہوا کے ساتھ سفر کا مقابلہ ٹھہرا!

ماہ تمام! ابھی چھت پہ کون آیا تھا
کہ جس کے آگے تری روشنی بھی ماند ہوئی

پیام آیا ہے پھر ایک سرو قامت کا
میرے وجود کو کھینچے ہے دار کا موسم

اب کون سے موسم سے کوئی آس لگائے
برسات میں بھی یاد نہ جب ان کو ہم آئے

عمر بھر تھامے رہے خوشبو کو
پھول کا ہاتھ مگر شل ہو جائے

یاد کیا آئی کہ روشن ہو گئے آنسو کے گھر
جنگلوں میں شام اتری، جل اٹھے جگنو کے گھر

بارشیں رقص میں تھیں اور زمین ساکت تھی
عام تھا فیض مگر رنگ کمائے نہ گئے

پہروں باتیں وہ ہری بیلوں کے سائے سائے
واقعے خواب ہوئے ایسی ملاقاتوں کے

نم ہیں پلکیں تری اے موج ہوا، رات کے ساتھ
کیا تجھے بھی کوئی یاد آتا ہے برسات کے ساتھ

حرف کیوں اپنے گنوائیں جا کر
بات سے پہلے جہاں بات کٹے

وہ مجھ سے دور خوش ہے؟ خفا ہے؟ اداس ہے
کس حال میں ہے ؟ کچھ تو مرا نامہ بر کھلے

انگلیوں کو تراش دوں، پھر بھی
عادتاً اس کا نام لکھیں گی

ہوا میرے جوڑے میں پھول سجاتی جا
دیکھ رہی ہوں اپنے من موہن کی رہ

میں نے پھر تیرے تصور کے کسی لمحے میں
تیری تصویر پر لب رکھ دیئے آہستہ سے

گود لے لی ہے چٹانوں نے سمندر سے نمی
جھوٹے پھولوں کے درختوں پر بھی خوشبوئیں ٹکیں

یہ زندہ رہنے کی خاطر، اجازتوں کا دکھ
بطور قرض کے حاصل، محبتوں کا دکھ

تتلی کے لبوں اور گلابوں کے بدن میں
رہتا ہے سدا چھوئے سے اک راز کا رشتہ

موت کا ذائقہ لکھنے کے لئے
چند لمحوں کو ذرا مر دیکھوں

جکڑے جانے کی تمنا تیز تھی
آ گئے پھر حلقہ گرداب میں

بادل کو کیا خبر ہے کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند و بالا شجر خاک ہو گئے

میری اچھائی تو سب کو اچھی لگی
اسکے پیار کا مرکز میرے نقص میں ہے

تعویز والے ہاتھ مگرمچھ کے پاس تھے
تہ سے دعا لکھی ہوئی پیشانیاں ملیں

بہار نے مری آنکھوں پر پھول باندھ دیے!
رہائی پاؤں تو کیسے، حصار رنگ میں ہوں

ہجر، سناٹا، پچھلے پہر کا چاند
خود سے ملنے کے کچھ وسیلے ہیں۔

دعائیں دے رہی ہوں دشمنوں کو
اور اک ہمدرد پر نامہرباں ہوں

بادل ہیں کہ نیلی طشتری میں
رقصاں ہیں سفیدیوں کی قاشیں

جانے کس دکھ سے دل گرفتہ تھا
منہ پہ بادل کی راکھ ملتا رہا

تیری خوشبو، بچھڑ جانے سے پہلے
میں اپنے آپ میں تجھ کو سمو لوں

آنکھ کو یاد ہے وہ پل اب بھی
نیند جب پہلے پہل ٹوٹی تھی

میری چاہت میں بھی اب سوچ کا رنگ آنے لگا
اور ترا پیار بھی شدت میں ہوا آہستہ

جیسے کہ کبھی نہ تھا تعارف
یوں ملتے ہوئے. جھجک رہی ہوں

تنہا مری ذات دشت شب میں
اطراف میں خیمے بدووں کے

تیرے ہی بھلے کو چاہتی ہوں
میں تجھ کو کبھی نہ یاد آؤں

کس پیار سے مل رہے ہیں کچھ لوگ
چمکیلے بدن میں پھن سمیٹے

اس شہر سخن فروشگاں میں
ہم جیسے تو بے ہنر ہی ٹھہرے

آنکھیں ہیں اور صبح تلک تیرا انتظار
مشعل بدست رات ترے نام ہو چکی

رستہ کتنا دیکھا ہوا ہو، پھر بھی شاہ سوار
ایڑ لگا کر اپنے ہاتھ میں راس تو لیتے ہیں

وہ میرے پاؤں کو چھونے جھکا تھا جس لمحے
جو مانگتا اسے دیتی، امیر ایسی تھی

پھر اس کے بعد نہ دیکھے وصال کے موسم
جدائیوں کی گھڑی چشم گیر ایسی تھی

جھوٹ کے شہر میں آئینہ کیا لگا سنگ اٹھائے ہوئے
آئینہ ساز کی کھوج میں جیسے خلق خدا لگ گئی

تیرا کمال کہ پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں
غزالِ شوق کہاں کا اسیر ایسا تھا!

وہ آگ ہے کہ مری پور پور جلتی ہے
مرے بدن کو ملا ہے چنار کا موسم

ابر کی طرح ہے وہ یوں نہ چھو سکوں لیکن
ہاتھ جب بھی پھیلائے آ گیا دعاؤں میں

شاخ شاخ سرگرداں، کس کی جستجو میں ہیں
کون سے سفر میں ہیں، تتلیاں نہیں کھلتیں

اس نسل کا ذہن کٹ رہا ہے
اگلوں نے کٹائے تھے فقط سر

سدا کی دیکھی رات ہمیں اس بار ملی تو چپکے سے
خالی ہاتھ پہ رکھ کے کیا سوغات گزر گئی جاناں

خاموشی کلام کر رہی ہے
جذبات کی مہر ہے سخن پر

دے کر مجھ کو اذن گہرے پانیوں کی سیر کا
خود روانہ ہے وہ میری رسوائی کستا ہوا

ایک وہ موسم کہ مجھ پر مسکراہٹ جبر تھی
اور اب موقع نہیں ملتا ہنسی کے صرف کا

بج اٹھے ہوا کے دف وجد میں کلی آئی
زندگی کے میلے میں رقص کی گھڑی آئی

رفاقتوں کے نئے خواب خوشنما ہیں مگر
گزر چکا ہے ترے اعتبار کا موسم

کیا ذکر برگ و بار،یہاں پیڑ ہل چکا
اب آئے چارہ ساز کہ جب زہر کھل چکا

ذرا سے جبر سے میں بھی تو ٹوٹ سکتی تھی
مری طرح سے طبیعت کا وہ بھی سخت نہ تھا

مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے،مرے ہونے کی گواہی دیں گے

میں اتنے سانپوں کو رستے میں دیکھ آئی تھی
کہ تیرے شہر میں پہنچی تو کوئی ڈر ہی نہ تھا

رفاقتوں کا مری،اسکو دھیان کتنا تھا
زمین لے لی مگر آسمان چھوڑ گیا

حل ہونے لگی لہو میں میرے
سانسوں میں ترے گھلی ہوئی رات

ہم بے ہنروں کی زیست،پل بھر
اقبال کی زندگی دوامی!

ایک موہوم تمنا کے سہارے نکلے
چاند کے ساتھ ترے ہجر کے مارے نکلے

ماتھے پہ بل نہ آنے دیا تھا کبھی تو پھر
لہجے میں اتنی گہری شکن کیسے پڑ گئی؟

سارے رشتے ہجرتوں میں ساتھ دیتے ہیں تو پھر
شہر سے جاتے ہوئے ہوتا ہے دامن گیر کون

بے نام مسافت ہی مقدر ہے تو کیا غم
منزل کا تعین کبھی ہوتا ہے سفر سے

نکلے ہیں تو رستے میں کہیں شام بھی ہو گی
سورج بھی مگر آئے گا اس راہگزر سے

جب سے پرواز کے شریک ملے
گھر بنانے کی آرزو ہے بہت

لہر لہر کرنوں کو چھیڑ کر گزرتی ہے
چاندنی اترتی ہے جب شریر جھرنوں پر

یہ احتجاج بجا ہے کہ تیز تھی بارش
یہ ماننا کہ کچا تھا اپنے شہر کا رنگ

جو ظل اللہ پر ایمان لائے
وہی داناؤں میں غافل بڑا ہے

سپردگی کا نشہ ٹوٹنے نہیں پاتا
انا سمائی ہوئی ہے وفا کی بانہوں میں

سب عشق کریں گے اور سچا
ہے اپنے قبیلے میں یہ خامی

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشاں ہوں میں
روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے

قوت غم ہے جو اسطرح سنبھالے ہے مجھے
ورنہ بکھروں کس لمحے تو سمٹنا مشکل

کس وصال خبر رت کی مہرباں آمد
ہمیں قبول -- مگر ہجر کے برس میں نہیں

کچھ تو ترے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ مری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی

ملنے کا تو مسئلہ نہیں ہے
پہچان بھی پائے بات تب ہے

یک لخت گرا ہے تو جڑیں تک نکل آئیں
جس پیڑ کو آندھی میں بھی ہلتے نہیں دیکھا

اسیر کربلا جب یاد آئیں
کہاں لگتی ہے پھر زنجیر بھاری

طاؤسی یادوں کے دکھ
زخم کو جھل بھی جاتے ہیں

خزاں کی رت میں لمحہ جمال کیسے آ گیا
یہ آج پھر سنگھار کا خیال کیسے آ گیا

ہنسی کو اپنی سن کے ایک بار میں بھی چونک اٹھی
یہ مجھ میں دکھ چھپانے کا کمال کیسے آ گیا

نئے سفر پہ چلتے ہوئے یہ دھیان رہے
رستے میں دیوار سے پہلے در بھی ہے

مری تقدیر کی نیرنگیوں میں
مری تدبیر کی شرکت عجب تھی

طلائی طشت میں تازہ گلاب سجنے لگے
ذرا اٹھے تھے کہ نیزوں پہ سر پہنچنے لگے

ہوا نے جتنے دیئے مانگے نذر کر ڈالے
کہ روشنی کا نسب صرف بام و در سے نہ تھا

ننھے سے ایک ستارے کی کیا روشنی مگر
پرچم پہ آ گیا تو بہت چاند پر کھلا

تیرے سوا بھی کئی رنگ خوش نظر تھے مگر
جو تجھ کو دیکھ چکا ہو وہ اور کیا دیکھے

ہوا چلی تو نئی بارشیں بھی ساتھ آئیں
زمین کے چہرے پہ آیا نکھار کا موسم

بھولا ہے کون ایڑ لگا کر حیات کو
رکنا ہی رخشِ جاں کو گوارا نہیں رہا

بنا کسی آس کے اسی طرح جی رہا ہے
بچھڑنے والوں میں تھا کوئی سخت جاں کتنا

میں اس کی آنکھوں کو دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں
نظر کا ایسا طلسم کس داستاں میں تھا

کچھ اپنے آپ سے ہی اسے کشمکش نہ تھی
مجھ میں بھی کوئی شخص اسی کا رقیب تھا

اندھیرے میں تھے جب تلک زمانہ ساز گار تھا
چراغ کیا جلا دیا ہوا ہی اور ہو گئی

سحاب میں تھی تو وہ بھی صبا مثال ہی تھا
کسی کے واسطے رکنا ذرا محال ہی تھا

بوجھ اٹھائے پھرتی ہے ہمارا اب تک
اے زمین ماں! تیری یہ عمر تو آرام کی ہے

پلکیں نہ جھپکنی تھیں کہ گفتار عجب تھی
آنکھوں کے لئے ساعت دیدار عجب تھی

میں دونوں ہاتھوں کو چھوڑ کر چل رہی ہوں پھر سے
سر ارادہ کھڑا ہے اک دستگیر ایسا

زمانے نے جسے بے تیشہ کر دیا تھا کبھی
پہاڑ کاٹ کے خود راستہ نکال آیا

یہی نہیں کہ مجھے اس نے تھام رکھا ہے
مرا خیال بھی اس کو کبھی سنبھال آیا

ہزار ٹکڑوں میں بٹ کر بھی اسکا عکس رہی
میں آئینہ تھی، بکھرنے پہ اعتماد بھی تھا

یہ کیسے شکاری نے جکڑا ہے مجھ کو
کہ خود میں نے اڑنے کی خواہش کتر دی

حساب عداوت بھی ہوتا رہے گا
محبت نے جینے کی مہلت اگر دی

پریم جل خوب گاگر میں بھر لوں
آج بادل نے مایا لٹائی

جنگ کا ہتھیار طے کچھ اور تھا
تیر سینے میں اتارا اور ہے

اور کچھ پل اسکا رستہ دیکھ لوں
آسماں پر ایک تارہ اور ہے

بانٹی تھی جس نے عام معافی کی خود نوید
وہ راتوں رات شہر اماں سے نکل چکا

اشارہ کوچ کا تو ہو چکا ہے دیر سے مگر
بچھا رکھی ہے زندگی نے گھات درمیان میں

وہ میرا نام لیئے جائے اور میں اسکا نام
لہو میں گونج رہا ہے پکار کا موسم

جیتنے میں بھی جہاں جی کا زیاں پہلے سے ہے
ایسی بازی ہارنے میں کیا خسارہ دیکھتا

ایسا لگتا ہے کہ پیروں سے لپٹ آئی ہے
ایک زنجیر بھی اسباب سفر کے ہمراہ

اور اس سے نہ رہی کوئی طلب
بس مرے پیار کی عزت کرتا

زندگی کی کوئی محرومی نہیں یاد آئی
جب تلک ہم تھے ترے قرب کی آسائش میں

مرنے اگر نہ پائی تو زندہ بھی کب رہی
تنہا کی وہ عمر جو تھی تیرے سات کی

پہرہ دیتے رہتے ہیں جب تک فرشتے
کیسے رات کے ساتھ کوئی پھر سو جائے

جس خاک سے پھوٹا ہے اسی خاک کی خوشبو
پہچان نہ پایا تو ہنر کس کے لئے تھا

اب بھی سپنے بوئے ہیں تو ایمان ہے اسکا
اس نے ان آنکھوں میں صحرا دیکھ لیا ہے

یونہی نہیں بہار کا جھونکا بھلا لگا
تازہ ہوا کے، یاد پرانی بھی ساتھ ہے

جس کو اک نسل نے سینچا تھا لہو سے اپنے
اک نہ اک روز تو اس پیڑ کو پھل جانا تھا

فصل بروقت نہ کٹتی جو سروں کی پروین
آسمانوں نے زمینوں کو نگل جانا تھا

وہاں بھی ہم تو ستارہ سوار تھے کہ جہاں
بہت ہی سوچ سمجھ کے قدم اٹھاتے تھے

لہو چشیدہ ہاتھ اس نے چوم کر دکھادیا
جزا وہاں ملی جہاں کہ مرحلہ سزا کا تھا

جب مسافر کا ارادہ ہی بھٹکنے کا ہوا
اک چراغ اور سرراہگزر کیا لائے

اس کی سرگوشی میں بھیگتی جائے رات
قطرہ قطرہ تن کو نئی کہانی دے

کیا لکھا تھا سر محضر، جسے پہچانتے ہی
پاس بیٹھا ہوا ہر دوست بہانے سے اٹھا

سب سے نظر بچا کر وہ مجھ کو کچھ ایسے دیکھتا
ایک دفعہ تو رک گئی گردش ماہ و سال بھی

اس کی سخن طرازیاں میرے لئے بھی ڈھال تھیں
اس کی ہنسی میں چھپ گیا اپنے غموں کا حال بھی

آساں سہی بچھڑ کے رہنا
پر اسکا سا دل کہاں سے لائیں

ہم خود بھی جدائی کا سبب تھے
اسکا ہی قصور سارا کب تھا

کھلے گی اس نظر پہ چشم تر آہستہ آہستہ
کیا جاتا ہے پانی میں سفر آہستہ آہستہ

رائے پہلے سے بنا لی ہے تو نے
دل میں اب ہم ترے گھر کیا کرتے

فشار جاں کے بہت ہیں اگر نظر آئیں
ہر ایک زلزلہ زیر زمین نہیں آتا

وہ سامنے ہو تو معرکہ اور
جنگ اس سے الگ لڑی ہو دل میں

یہ چشم نم ہے اسے خشک دیکھ بھال کے کر
ہری بھری کوئی بستی ہی زیر آب نہ ہو

کمال شخص تھا جس نے مجھے تباہ کیا
خلاف اس کے یہ دل ہو سکا ہے اب بھی نہیں

پانی دیکھا، نہ زمین دیکھی، نہ موسم دیکھا
بے ثمر ہونے کا الزام شجر پہ رکھا

اس طرح کھینچی ہے میرے گرد دیوار خبر
سارے دشمن روزنوں کو بے نظر اس نے کیا

اسی امید پہ ہر شام بجھائے ہیں چراغ
ایک تارا ہے سر بام ابھرنے والا

آج بھی یونہی رکھے رہے
سارے ہار پروئے ہوئے

قدم رکھے مری خوشبو کہ گھر کو لوٹ آئے
کوئی بتائے مجھے کوئے یار کا موسم

وہی تنہائی، وہی دھوپ، وہی بے سمتی
گھر میں رہنا بھی ہوا، راہگزر میں رہنا

کوئی خاطر نہ مدارات نہ تقریب وصال
ہم تو بس چاہتے ہیں تیری نظر میں رہنا

اس کے وصل کی ساعت ہم پہ آئی تو جانا
کس گھڑی کو کہتے ہیں خواب میں بسر ہونا

آنے میں گھر مرے، تجھے جتنی جھجک رہی
اس درجہ تو میں بے سرو سامان بھی نہ تھی

دستک تو کچھ ایسی ہے کہ دل چھونے لگی ہے
اس حبس میں بارش کا یہ جھونکا بھی تو دیکھوں

تو میرے بنا نہ رہ سکا تو
کب تیرے بغیر جی سکی میں

آتی رہے اب کہیں سے آواز
اب تو ترے پاس آ گئی میں

مرنے کی دہشت تو سب نے دیکھی ہے
جینے سے ڈرنا اتنا آساں نہیں

ہم یاد تو نہ آئیں گے لیکن بچھڑتے وقت
تارہ سا اک خیال تری چشم تر پہ تھا

سنتے رہے اخیر تلک مہر و ماہ و نجم
اس خاکداں کا سارا فسانہ عجیب تھا

کبھی نہ تنگ ہو اس پر زمین کا دامن
امیر شہر اگر آسماں جناب نہ ہو

میرے دل! آنسوؤں سے ہاتھ اٹھا
کیسی بارش سے زخم دھوتا ہے

عمر کا بھروسہ کیا، پل کا سات ہو جائے
ایک بار اکیلے میں اس سے بات ہو جائے

اس کے یوں ترک محبت کا سبب ہو گا کوئی
جی نہیں یہ مانتا وہ بے وفا پہلے سے تھا

خیال یار ابھی روشن، ابھی نظروں سے اوجھل ہے
ابھی یہ ریشمیں دریا پہاڑوں میں ہی بہتا ہے۔

ہنسی کے رنگ بہت مہرباں تھے لیکن
اداسیوں سے ہی نبھتی خمیر ایسا تھا

عقب میں گہرا سمندر ہے، سامنے جنگل
کس انتہا پہ مرا مہرباں چھوڑ گیا

اب تو فقط صیاد کی دلداری کا بہانہ ہے ورنہ
ہم کو دام میں لانے والی گھات گزر گئی جاناں

جیسے کوئی عقب سے بلاتا ہے بار بار
بچپن سے اک عجیب سراب صدا میں ہوں

ورنہ یہ تیز دھوپ تو چبھتی ہمیں بھی ہے
ہم چپ کھڑے ہوئے ہیں کہ تو سائباں میں ہے،

لشکر کی آنکھ مال غنیمت پہ ہے لگی
سالار فوج اور کس امتحاں میں ہے

میں تو، تا عمر، تیرے شہر میں رکنا چاہوں
کوئی آ کر مرا اسباب سفر تو کھولے

جاں سے گزر گئے مگر بھید نہیں کھلا کہ ہم
کس کی شکار گاہ تھے کس کیلئے ہدف ہوئے

میں اس کے قول پہ ایمان لا کر خوف میں ہوں
کہیں لہجے میں تو ظالم کے عیاری نہیں ہے

جہاں اک روز کھل جائیں ہمارے نام کے پھول
بھرے گلشن میں کیا ایسی کوئی کیاری نہیں ہے

اب تک وہ نشہ پذیرائی
کل خواب میں اسکے گھر گئے تھے

اس شہر بے نیاز میں جب تک رہا قیام
حسرت رہی کہ چشم شناسا کو دیکھتی

ترک تعلقات کا کوئی سبب تو تھا
سننے کا میرے دل کو مگر حوصلہ کہاں

تہمت لگا کے ماں پہ، جو دشمن سے داد لے
ایسے سخن فروش کو مر جانا چاہیئے

ہم بھی عجیب لوگ ہیں یا تو بہارگریں یا
سارا چمن جلا دیا اک پرکاں کے لیئے

گھر کا سارا راستہ اسی سرخوشی میں کٹ گیا
اس سے اگلے موڑ کوئی ہمسفر ہونے کو ہے

خواب میں بھی تجھے بھولوں تو روا رکھ مجھ سے
وہ رویہ جو ہوا کا خس و خاشاک سے ہے

عرصہ خواب میں رہنا ہے کہ لوٹ آنا ہے
فیصلہ کرنے کی اس بار ہے باری اس کی

سفر کے باب میں کتنے عجیب لوگ ہیں ہم
کہاں کا قصد کیا چل پڑے کہاں کے لیئے

شاید کہ ہمیں سنوار دیتی
جو شب آ کر پلٹ گئی تھی

کچھ دیر میں تجھ سے کٹ گئی تھی
محور سے زمین ہٹ گئی تھی

سب کے لئے جاری ہے تو اے حسن جہانگیر
اس بار غریبوں سے بھی انصاف کیا جائے

تمکنت سے تجھے رخصت تو کیا ہے لیکن
ہم سے ان آنکھوں کی حسرت نہیں دیکھی جاتی

آتی تھی ہمیں رفوگری بھی
اک دوسرے کا لباس تھے ہم

بہت سے لوگ تھے مہمان میرے گھر لیکن
وہ جانتا تھا کہ ہے اہتمام کس کیلئے

سورج کو دیکھنے کا سلیقہ کہاں ہمیں
جب بھی نظر اٹھائی، رہی آس پاس شب

مثال ابرو ہوا دل بہم رہیں لیکن
محبتوں میں ذرا فاصلہ ضروری ہے

رہ حیات میں اب کوئی ایسا موڑ نہیں
کہ جس کے بعد تری رہگذر نہیں آتی

جس نے تہہ سے مجھے اچھال دیا
ڈوبنے کا خیال تھا کیا تھا

لوٹا ہے وہ پچھلے موسموں کو
مجھ میں کس رنگ کی کمی تھی

تیرے کرم کی دھوپ تو خیر کسے نصیب تھی
تیرے ستم کے ابر بھی اور کہیں برس گئے

ترے طریق محبت پہ بار ہا سوچا
یہ جبر تھا کہ تیرے اختیار کا موسم

آمد پہ تیری عطر و چراغ و سبو نہ ہوں
اتنا بھی بود و باش کو سادہ نہیں کیا

صبا چلی ہے جس انداز سے گلستاں میں
کسی کو لالہ، کسی کو گلاب ہونا تھا

کس سے پوچھوں پس دیوار چمن کیا گزری
میرے گھر میں تو ہوا مہر بہ لب آئی ہے

یہ عشق ہے اور اس میں سرفرازی و کمال
رخسار و خال و خط سے نہ نام و نسب سے ہے

دل کو اس راہ پہ چلنا ہی نہیں
جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے

زندگی میری تھی لیکن اب تو
تیرے کہنے میں رہا کرتی ہے

بھلا کے وہ ہمیں حیران ہے تو کیا کہ ابھی
اسی طرح کا ہمیں بھی کمال کرنا ہے

ظلم سہنا بھی تو ظالم کی حمایت ٹھہرا
خامشی بھی تو ہوئی پشت پناہی کی طرح

خود پھول کی طرح مجھے کھلنے کا شوق تھا
اب تیز ہوا ہے تو ہوا کا قصور کیا

شعبہ رزق خدا نے جو رکھا اپنے پاس
نائب اللہ بہت بد دل و رنجور ہوئے

فصیلیں توڑ نہ دیتے جواب کے اہل قفس
تو اور طرح کا اعلان جبراً آ جاتا

کیا ضمانت ہے کہ وہ چاند اتر آئے گا
تار مژگاں کو اگر عقد ثریا کر لیں

قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے
دستار کے ہوتے ہوئے سر کاٹ رہا ہے

تعلقات کے برزخ میں ہی رکھا مجھ کو
وہ میرے حق میں نہ تھااور خلاف بھی نہ ہوا

یاں! اک محل تھا آگے زر و سیم سے بنا
اے خوش خرام! دل کو ہمارے کھنڈر نہ جان

زمین دل یونہی شاداب تو نہیں اے دوست
قریب میں کوئی دریا ضرور بہتا ہے

شیشۂ جاں کو مرے اتنی ندامت سے نہ دیکھ
جس سے ٹوٹا ہے یہ آئینہ وہ سنگ اور ہی تھا

سطحِ دریا بڑھ رہی ہے اور ہوائے تند بھی
آج کی شب ہی بہت نیچی دیئے کی لو بھی ہے

ایک ان دیکھی خوشی رقصاں ہے برگ و بار میں
باغ ہستی میں مرے موسم ہے ابروباد کا

وصال روح و نظر کے عجیب لمحے میں
ہر ایک زاویہ جسم و جاں روشن تھا

ذرا سی دیر کو بارش رکی تھی شاخوں پر
مزاج سوسن و سرو و سمن بدلنے لگا

وہ روز آ کے مجھے اپنا پیار پہنائے
مرا غرور ہے بیلے کے ہار کا موسم

کون چھو کر انہیں گذرا کہ کھلے جاتے ہیں
اتنے سرشار تو پہلے نہ تھے ہونٹوں کے گلاب

ضروری ہو گئی اب دل کی زینت
مکیں پہچانے جاتے ہیں مکاں سے

میں اس کے سارے رویوں پر معترض ہوتی
مری طرح سے مگر تھا دکھا ہوا وہ بھی

نظر بھی آیا اسے اپنے پاس بھی دیکھا
مری نگاہ نے یہ التباس بھی دیکھا

زندگی کی دھوپ میں اس سر پر اک چادر تو ہے
لاکھ دیواریں شکستہ ہوں پر اپنا گھر تو ہے

کچھ اسطرح کا پر اسرار ہے ترا لہجہ
کہ جیسے راز کشا ہو کسی خزانے کا

کاسۂ دید میں بس ایک جھلک کا سکہ
ہم فقیروں کی قناعت سے تجھے دیکھتے ہیں

توجہ سے تری پھر کھل رہے ہیں
وگرنہ زخم تو یہ سل چکے تھے۔

آنکھوں کے لئے جشن کا پیغام تو آیا
تاخیر سے ہی چاند لب بام تو آیا

کبھی کبھی تو دل مضطرب یہ چاہتا ہے
کہ چاند رات ہو اور سامنے سمندر ہو

خانہ بے چراغ بھی سب کی نظر میں آ گیا
تیرے قیام کے طفیل ہم بھی تو باشرف ہوئے

اتنا خوں ہے مرا گلشن میں کہ اب میرے خلاف
پیڑ ہو جائیں مگر پھول نہیں ہو سکتے

بد گمانی جب نہ تھی، تو بھی نہیں تھا معترض
میں بھی تیری شخصیت پر نکتہ چین ایسی نہ تھی

اک شخص کیا گیا کہ بھرا شہر دفعتاً
بے حوصلہ و بددل و کم کوش ہو گیا

ایک ہی اسم کو بارش نے ہرا رکھا ہے
پیڑ پہ نام تو لکھے گئے اس نام کے بعد

واں نہیں وقت تو ہم بھی ہیں عدیم الفرصت
اس سے کیا ملیئے جو ہر روز کہے، کل ملنا

جتنی کم سچائی ہو گی اتنی ہوگی آرائش
جب مضمون سے لفظ ہوں زائد سمجھو عبارت ختم ہوئی

یوں دیکھنا اس کو کہ کوئی اور نہ دیکھے
انعام تو اچھا تھا مگر شرط کڑی تھی

کس جان گلستان سے یہ ملنے کی گھڑی تھی
خوشبو میں نہائی ہوئی اک شام کھڑی تھی

شہادتیں مرے حق میں تمام جاتی تھیں
مگر خموش تھے منصف، نظیر ایسی تھی

جذبات ہی کند ہیں تو بے کار
تلوار کی لاکھ بے نیامی!

اب کے بھی خوشوں پہ کچھ نام تھے میلے سے لکھے
اب کے بھی فصل کا دہقانوں میں بٹنا مشکل

خوش آئے تجھے شہر منافق کی امیری
ہم لوگوں کو سچ کہنے کی عادت بھی بہت تھی

زمین افکار کے نشے میں گم ہے
فلک سے اک عذاب آنے کو ہے پھر

بچھڑ کے مجھ سے، خلق کو عزیز ہو گیا ہے تو
مجھے تو جو کوئی ملا، تجھی کو پوچھتا رہا

خوشبو تو سانس لینے کو ٹھہری تھی راہ میں
ہم بد گمان ایسے کہ گھر کو پلٹ گئے

ابر گریز پا کو برسنے سے کیا غرض
سیپی میں بن نہ پائے گہر، تم کو اس سے کیا!

یہ غربتیں مری آنکھوں میں کیسی اتری ہیں
کہ خواب بھی مرے رخصت ہیں، رتجگا بھی گیا

میں سوچتی ہوں کہ مجھ میں کمی تھی کس شے کی
کہ سب کا ہو کے رہا وہ، بس اک مرا نہ ہوا

فیصلہ موج ہوا نے لکھا!
آندھیاں میری بہاریں اسکی

عکس خوشبو ہوں، بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی

وہ سوتے جاگتے رہنے کے موسموں کا فسوں
کہ نیند میں ہوں مگر نیند بھی نہ آئی ہو!

جو حرف سادہ کی صورت ہمیشہ لکھی گئی
وہ لڑکی تیرے لئے کس طرح پہیلی ہوئی

اسکی خفگی جاڑے کی نرماتی دھوپ
یارو سکھی! اس حدت کو ہنس کھیل کے سہہ

ایک ہی شہر میں رہ کر جنکو اذن دید نہ ہو
یہی بہت ہے، ایک ہوا میں سانس تو لیتے ہیں

میں عشق کائنات میں زنجیر ہو سکوں
مجھ کو حصار ذات کے شر سے رہائی دے

اسی طرح سے اگر چاہتا رہا پیہم
سخن وری میں مجھے انتخاب کردیگا

وہ سمندر ہے تو پھر روح کو شاداب کرے
تشنگی کیوں مجھے دیتا ہے سزاؤں کی طرح

آسمانوں میں وہ معروف بہت ہے یا پھر
بانجھ ہونے لگے الفاظ مناجاتوں کے

جی یہ چاہے، کوئی پھر توڑ کے رکھ دے مجھ کو
لذتیں ایسی کہاں ہونگی تھکن میں، اب کے

تری خوشبو بچھڑ جانے سے پہلے
میں اپنے آپ میں تجھ کو سمولوں

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

جب بھی غریب شہر سے کچھ گفتگو ہوئی
لہجے ہوائے شام کے نمناک ہو گئے

یوں تیری شناخت مجھ میں اترے
پہچان تک اپنی بھول جاؤں

تجھے مناؤں کہ اپنی انا کی بات سنوں
الجھ رہا ہے مرے فیصلوں کا ریشم پھر

سر چھپائیں تو بدن کھلتا ہے
زیست مفلس کی ردا ہو جیسے

آج آیا ہے ہمیں بھی ان اڑانوں کا خیال
جن کو تیرے زعم میں بے بال و پر کرتے رہے

سفر میں چاند کا ماتھا جہاں بھی دھندلایا
تری نگاہ کی زیبائی نے قیادت کی!

اس سے اک بار تو روٹھوں میں اسی کی مانند
اور میری طرح سے وہ مجھ کو منانے آئے

میں برگ برگ اسکو نمو بخشتی رہی
وہ شاخ شاخ میری جڑیں کاٹتا رہا

میں اپنے حصے کے سکھ جس کے نام کر ڈالوں
کوئی تو ہو جو مجھے اس طرح کا پیارا ہو

تنہائی کا ایک لمحہ
ہنگاموں سے قرض لوں کہاں تک

ذکر آئے گا جہاں بھونروں کا
بات ہو گی مرے ہرجائی پر

وہ تو میرے سامنے بیٹھا تھا----پھر
کس کا چہرہ نقش تھا مہتاب میں!

وان شہر ڈوبتے ہیں،ادھر بحث کہ انہیں
خم لے گیا یا خم محراب لے گیا

تجھے بھی ذوق نئے تجربات کا ہو گا
ہمیں بھی شوق تھا کچھ بخت آزمائی کا

یہ کیا کہ میں تری خوشبو کا صرف ذکر سنوں
تو عکس موجہ گل ہے تو جسم وجاں میں اتر

وہ اپنی ذات میں کل کائنات تھا
دنیا کے ہر فریب سے ملوا دیا مجھے

بارشیں کیا زمین کے دکھ بانٹیں
آنسوؤں سے بجھاؤ الاؤ کبھی!

صدف میں اتروں تو پھر میں گہر بھی بن جاؤں
صدف سے پہلے مگر حلقہ نہنگ میں ہوں

تو میری طرح سے یکتا ہے،مگر میرے حبیب!
جی میں آتا ہے کوئی اور بھی تجھ سا دیکھوں

دامان شب کے نام کوئی روشنی تو ہو
تارے نہیں نصیب تو آنسو بکھیریئے لیئے

وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائیگا
مسئلہ پھول کا ہے، پھول کدھر جائے گا

سپردگی کا مجسم سوال بن کے کھلوں
مثال قطرہ شبنم ترا جواب اترے

قامت شعر کی زیبائی کا عالم مت پوچھ
مہرباں جب سے ہے اس سرو بدن کی خوشبو

جان محفل ہے، مگر آج، فقط میرے بغیر
ہائے کس درجہ وہی بزم میں تنہا ہو گا

تو بدلتا ہے تو بے ساختہ میری آنکھیں
اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے الجھ جاتی ہیں

ضبط کی شہر پناہوں کی، مرے مالک!خیر
غم کا سیلاب اگر مجھ کو بہانے آئے

کسی کے دھیان میں ڈوبا ہوا دل
بہانے سے مجھے بھی ٹالتا ہے

چاک ہے دامن قبائے بہار
مرے خوابوں کے پیرہن کی طرح

موجہ گل کو ابھی اذن تکلم نہ ملے
پاس آتی ہے کسی نرم سخن کی خوشبو

ہمیں خبر ہے، ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا، ذرا دیر کو رکے بھی نہیں!

نہ رنگ نہ کرن ہے، نہ روشنی، نہ چراغ
نہ تیرا ذکر، نہ تیرا پتہ، نہ تیرا سراغ

میں نے جس لمحے کو پوجا ہے، اسے بس اک بار
خواب بن کر تری آنکھوں میں اترتا دیکھوں

بھرم ہے مہر و مہ و نجم کا بھی بس جبتک
مقابل ان کے وہ روشن جبیں نہیں آتا

ایک بار کھیلے تو وہ مری طرح اور پھر
جیت لے وہ ہر بازی مجھ کو مات ہو جائے

میں تیری سرد مہری سے ذرا بد دل نہیں ہوں
مرے دشمن! ترا یہ وار بھی کاری نہیں ہے۔

ایسی خالی نسل کے خواب ہی کیا ہوں گے
جس کی نیند کا سرچشمہ تک چرس میں ہے!

بس رقص پانیوں کا تھا وحشت کے راگ پر
دریا کو سب دھنیں تو ہواؤں نے لکھ کے دیں!

گرے اگر آئینہ تو اک خاص زاویئے سے
وگرنہ ہر عکس کو رہے خود پہ مان کتنا

بہت سنبھل کے چلنے والی تھی پر اب کے بار تو
وہ گل کھلے کہ شوخی صبا ہی اور ہو گئی

ہزار آئینے جس جا ہوں روکش خورشید
نگاہ بھر کے اسے دیکھنا کمال ہی تھا

وہ سامنے ہو تو معرکہ اور
جنگ اس سے لڑی ہو دل میں

کوہ ندا سے بھی سخن اترے اگر، تو کیا
ناسامعوں میں حرمت الہام ہو چکی!

دوست تو خیر کوئی کس کا ہے
اس نے دشمن بھی نہ سمجھا لوگو

میری خود داری برتنے والے!
تیرا پندار بھی ٹوٹا کہ نہیں!

اسی امید میں ہر موج ہوا کو چوما
چھو کے شاید مرے پیاروں کی قبا آئی ہو

آج کی شب تو بہت کچھ ہے مگر، کل کے لیئے
ایک اندیشہ بے نام ہے اور کچھ بھی نہیں

اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

اچھی آنکھیں جو ملی ہیں اس کو
کچھ تو لازم ہوا وحشت کرنا

بچاؤ شیشوں کے گھر کا تلاش کر ہی لیا
یہی کہ سنگ بدستوں کو منصرم کر لوں

ہر شخص مجھے، تجھ سے جدا کرنے کا خواہاں
سن پائے اگر ایک تو دس جا کے جڑے وہ

وہ کہ جن کے ہاتھ میں تقدیر فصل گل رہی
دے گئے سوکھے ہوئے پتوں کا نذرانہ ہمیں

اونچی آواز میں اس نے تو کبھی بات نہ کی
خفگیوں میں بھی وہ لہجہ رہا کومل کی طرح

جہاں حرف تعلق ہو اضافی
محبت میں وہ باب آنے کو ہے پھر

وہ جب خود ٹوٹنے والا ہوا تھا
میں ہاری بھی تو کیسے وقت ہاری

وہی خیال کہ آنکھوں تک رہ جائے تو اشک
مصرعۂ تر بن جائے تو سلک گہر بھی ہے

بدن کا پہلے پہلے آگ چکھنا
رگ و پے میں کوئی لذت عجب تھی

جبتک وہ بے نشان رہا دسترس تھا
خوش نام ہو گیا تو ہمارا نہیں رہا

تری طرح، مری آنکھیں بھی معتبر نہ رہیں
سفر سے قبل ہی رستوں میں وہ سراب اترے

تخیل ماہتاب ہو، اظہار آئینہ
آنکھوں کو لفظ کا چہرہ دکھائی دے

یہی غنیمت ہے کہ بچے خالی ہاتھ نہیں ہیں
اپنے پرکھوں سے دکھ کی میراث تو لیتے ہیں

کتر کے جال بھی صیاد کی رضا کے بغیر
تمام عمر نہ اڑتی، اسیر ایسی تھی

ہمارے عہد میں شاعر کے نرخ کیوں نہ بڑھیں
امیر شہر کو لاحق ہوئی سخن فہمی

حسن کے سمجھنے کو عمر چاہیئے، جاناں!
دو گھڑی کی چاہت میں لڑکیاں نہیں کھلتیں

وہ چاند بن کے مرے ساتھ ساتھ چلتا رہا
میں اسکے ہجر کی راتوں میں کب اکیلی ہوئی

مل کے اس شخص سے میں لاکھ خموشی سے چلوں
بول اٹھتی ہے نظر پاؤں کی چھاگل کی طرح

وہ جس کی ایک پل کی بے رخی بھی دل کو بار تھی
اسے خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے---- مجھ کو بھول جا

سکون دل کیلئے میں کہاں کہاں نہ گئی
مگر یہ دل، کہ سدا اسکی انجمن میں رہا

بارش سنگ ملامت میں بھی وہ ہمراہ ہے
میں بھی بھیگوں خود بھی پاگل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

خفا اگرچہ ہمیشہ ہوئے مگر اب کے
وہ برہمی ہے کہ ہم سے انہیں گلے بھی نہیں

تیری خود غرضی سے خود کو سوچ کر
آج ہم تیرے برابر ہو گئے

شبنم کے رخساروں پر سورج کے ہونٹ
ٹھہر گیا ہے وصل کا ایک روشن لمحہ

وہ رت جگے، وہ گئی رات تک سخن کاری
شبیں گزاری ہیں ہم نے بھی کچھ ریاضت کی

راتیں تو قافلوں کی معیت میں کاٹ لیں
جب روشنی بٹی تو کئی راہبر کھلے

مجھے بارش کی چاہت نے ڈبویا
میں پختہ شہر کا کچا مکان ہوں

میں تو پاؤں کے کانٹے چنتی رہی
اور وہ راستہ بدلتا رہا

کھلونے پا لیے ہیں میں نے لیکن
مرے اندر کا بچہ مر رہا ہے

وہ اب میری ضرورت بن گیا ہے
کہاں ممکن رہا، اس سے نہ بولوں

''خوشبو کہیں نہ جائے'' یہ اصرار ہے بہت
اور یہ بھی آرزو کہ ذرا زلف کھولیے

پہلے یہ منظر پڑھا تھا صرف، اب دیکھا بھی ہے
بانسری بجتی رہی، جلتے رہے نیروؔ کے گھر!

ہاتھ میرے بھول بیٹھے دستکیں دینے کا فن
بند مجھ پر جب سے اسکے گھر کا دروازہ ہوا

روشنی آنکھ نے لی اور سرِ مژگاں خیال
چاند وہ چمکے کہ سورج سے بجھائے نہ گئے!

اگر وجود میں آہنگ ہے تو وصل بھی ہے
میں چاہے نظم کا ٹکڑا، وہ نثر پارہ ہو!

میں اس وصال کے لمحے کا نام کیا رکھوں
ترے لباس کی شکنیں تری جبیں سے ملیں

گہری حقیقتیں بھی اتری رہیں گی پھر
خوابوں کی چاندنی تو لب جو بکھیریئے

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
جرم یہ بھی مرے اجداد کے سر جائیگا

اک شب غم کے اندھیرے پہ نہیں ہے موقوف
تو نے جو زخم لگایا ہے وہ گہرا اترا

بچوں کے خواب پی کے بھی حلقوم خشک تھے
دریا کی تشنگی میں بڑی وحشتیں رہیں

گہرے خنک اندھیرے میں اجلے تکلفات
گھر کی فضا بھی ہو گئی شیزان کیطرح

پھر چاندنی کے دام میں آنے کو تھے گلاب
صد شکر نیند کھونے سے پہلے سنبھل گئے

خود کو خوشبو کے حوالے کر دیں
پھول کی طرز پذیرائی پر

شدت ہے مزاج مرے خوں کا
نفرت کی بھی دے تو انتہا دے

رنگ و بو سے کہیں پناہ نہیں
خواہشیں بھی کہاں اماں دیں گی

گود لے لی ہے چٹانوں نے سمندر سے نمی
جھوٹے پھولوں کے درختوں پہ بھی خوشبوئیں ٹکیں!

اترے نہ میرے گھر میں وہ مہتاب رنگ لوگ
میری دعائے نیم شبی بے اثر گئی

کبھی کبھی ترے لہجے کی شبنمی ٹھنڈک
سماعتوں کے دریچوں پہ خواب اترے

پہروں کی تشنگی پہ بھی ثابت قدم رہوں
دشت دل میں، روح مجھے کربلائی دے

مری طرح سے کوئی ہے جو زندگی اپنی
تمہاری یاد کے نام انتساب کر دیگا!

غیر ممکن ہے ترے گھر کا گلابوں کا شمار
مرے رستے ہوئے زخموں کے حسابوں کیطرح

جواز ڈھونڈ رہا تھا نئی محبت کا
وہ کہہ رہا تھا کہ میں اسکو بھول جاؤنگی

تو مسیحا ہے بدن تک ہے تری چارہ گری
ترے امکاں میں کہاں زخم کڑی باتوں کے

کبھی تنہائی سے محروم نہ رکھا مجھ کو
دوست ہمدرد رہے، کتنے مری ذات کیساتھ

ورنہ یوں طنز کا لہجہ بھی کسے ملتا ہے
ان کا یہ طرز سخن خاص عنایت جانو!

یہی تو وجہ شکست وفا ہوئی میری
خلوص عشق میں سادہ دلی کی آمیزش

فصیل شہر تمنا کی زرد بیلوں پر
ترا جمال کبھی صورت سحاب اترے

شدت کی نفرتوں میں سدا جس نے سانس لی
شدت کا پیار پا کے خلا میں بکھر نہ جائے

دوش پر بارشیں لے کے گھومیں
میں ہوا اور وہ بادل ہو جائے

آنچل مرے بھر کے پھٹ رہے ہیں
پھول اس کے لئے چنوں کہاں تک

مسافران شب غم، اسیر دار ہوئے
جو رہنما تھے، بکے اور شہر یار ہوئے

ملنے سے گریزاں ہیں، نہ ملنے پہ خفا بھی
دم توڑتی چاہت ہے کس انداز کا رشتہ!

جکڑے جانے کی تمنا تیز تھی
آ گئے پھر حلقہ گرداب میں

بستی میں جتنے آب گزیدہ تھے سب کے سب
دریا کے رخ بدلتے ہی تیراک ہو گئے

ردا چھنی مرے سر سے، مگر میں کیا کہتی
کٹا ہوا تو نہ تھا ہاتھ میرے بھائی کا

دل اسے چاہے جسے عقل نہیں چاہتی ہے
خانہ جنگی ہے عجب ذہن و بدن میں اب کے

وہ بچپنے کی نیند تو اب خواب ہو گئی
کیا عمر تھی کہ رات ہوئی اور سو گئے!

وہ چوٹ کیا ہوئی کہ جو آنسو نہ بن سکی
وہ درد کیا ہوا کہ جو مصرعہ نہ بن سکا

دشت غزال سے کوئی خوبی تو مانگیے
شہر جمال میں رم آہو بکھیرئیے

آخرش وہ بھی کہیں ریت پر بیٹھی ہو گی
تیرا یہ پیار بھی دریا ہے، اتر جائیگا

تخلیق جمال فن کا لمحہ!
کلیوں کی طرح چٹک رہی ہوں

اے میرے لئے نہ دکھنے والے
کیسے ترے دکھ سمیٹ لاؤں

احوال مرا وہ پوچھتا تھا
لہجے میں بڑی چبھن سمیٹے

وہ شہر میں ہے، یہی بہت ہے
کس نے کہا، میرے گھر ہی ٹھہرے

شملے سنبھالتے ہی رہے مصلحت پسند
ہونا تھا جسکو پیار میں بدنام ہو چکی

اے آنکھ! اب تو خواب کی دنیا سے لوٹ آ
مژگاں تو کھول! شہر کو سیلاب لے گیا

نہ دے سکا مجھے تعبیرِ خواب تو بخشے
میں احترام کروں گی تیری بڑائی کا

میں سوچتی تھی، ترا قرب کچھ سکوں دیگا
اداسیاں ہیں کہ کچھ اور بڑھ گئیں مل کر

رنج سہنے کی مرے دل میں تب و تاب کہاں
اور یہ بھی ہے کہ پہلے سے وہ اعصاب کہاں

دی تشنگی خدا نے تو چشمے بھی دے دیئے
سینے میں دشت، آنکھوں میں دریا کیا مجھے

میں تو شبنم تھی، ہتھیلی پر تری گم ہو گئی
وہ ستارہ تھی سو تیرے پیرہن پر سج گئی

ہم ہی برے ہو گئے------ کہ تیرا
معیار وفا بدل رہا ہے

لے جائیں مجھ کو مالِ غنیمت کے ساتھ عدو
تم نے تو ڈال دی ہے سپر، تم کو اس سے کیا

تیرے بدلنے کے باوصف تجھ کو چاہا ہے
یہ اعتراف بھی شامل مرے گناہ میں ہے

تو نے اس کی آنکھوں کو غور سے پڑھا قاصد!
کچھ تو کہہ رہا ہو گا اس نظر کا سناٹا

جو صرف روح تھا فرقت میں بھی، وصال میں بھی
اسے بدن کے اثر سے رہا تو ہونا تھا

مہ تمام! ابھی چھت پہ کون آیا تھا
کہ جس کے آگے تری روشنی بھی ماند ہوئی

اب کون سے موسم سے کوئی آس لگائے
برسات میں بھی یاد نہ جب ان کو ہم آئے

صدیوں سے سفر میں ہے سمندر
ساحل پہ تھکن ٹپک رہا ہے

موجہ گل ہے کہ تلوار کوئی
درمیان سے ہی مناجات کٹے

کیوں وہ بے سمت ہوا، جب میں نے
اس کے بازو پہ دعا باندھی تھی

دشمنوں کے ساتھ میرے دوست بھی آزاد ہیں
دیکھنا ہے، کھینچتا ہے مجھ پہ پہلا تیر کون

خود اپنے سے ملنے کا تو یارانہ تھا مجھ میں
میں بھیڑ میں گم ہو گئی تنہائی کے ڈر سے

جب لہو بول پڑے اسکے گواہوں کے خلاف
قاضی شہر کچھ اس باب میں ارشاد کرے

اس سے ملتے ہوئے چہرے بھی بہت ہونے لگے
شہر کے شہر سے اک ساتھ نمٹنا مشکل

کس شخص کا دل میں نے دکھایا تھا کہ اب تک
وہ میری دعاؤں کا اثر کاٹ رہا ہے

ہوائے دہر! ہمیں کس لیئے بجھائی ہے
ہمیں تو تجھ سے کبھی اختلاف بھی نہ ہوا

مرے بدن کو نمی کھا گئی ہے اشکوں کی!
بھری بہار میں کیسا مکان ڈھتا ہے

ہوا پہ لکھاہوا حرف ہی سہی دنیا
تمام رنگ اسی نقش رائیگاں کیلیئے

تجھ کو بھی نہ مل سکی مکمل
میں اتنے دکھوں میں بٹ گئی تھی

ہم تک آیا تو میرے لطف و کرم
ترا وقت زوال تھا کیا تھا

آنسو مرے چومتا تھا کوئی
دکھ کا حاصل یہی گھڑی تھی

تیرے کرم کی دھوپ تو خیر کسے نصیب تھی
ترے ستم کے ابر بھی اور کہیں برس گئے

آمد پہ تیری عطرو چراغ و سبو نہ ہوں
اتنا بھی بودوباش کو سادہ نہیں کیا

ممنوع قرار پا گئے ہیں!
جس بزم میں حرف خاص تھے ہم

اک سر خوشی میں چلتے رہے اسکے ساتھ ساتھ
منزل پہ آ گئے تو کمال سفر کھلا

ترے سوا بھی کئی رنگ خوش نظر تھے مگر
جو تجھ کو دیکھ چکا ہو وہ اور یہ کیا دیکھے

کیسی گھڑی میں ترک سفر کا خیال ہے
جب ہم میں لوٹ آنے کا یارا نہیں رہا

وہ لوگ کیا چل سکیں گے جو انگلیوں پہ سوچیں
سفر میں ہے دھوپ کس قدر سائباں کتنا

یہ روشنی تھی کہ اس کا چہرہ دھیان میں تھا
ستارہ سا اک چراغ میرے مکان میں تھا

وہ تو جاں لے کے بھی ویسا ہی سبک نام رہا
عشق کے باب میں سب جرم ہمارے نکلے

لیکن یہ سکھ بہت تھا کہ کچھ معتبر تو ہیں
منزل نہیں ہیں آپ کی گرد سفر تو ہیں

شہر کی چابیاں اعدا کے حوالے کر کے
تحفتاً پھر انہیں مقتول سپاہی دیں گے

بخت رسوائی کہ کوئی اپنی نظر میں گرا
اور کوئی مر کے بازار میں سستا ہوا

ہاتھ بھی جھلسے پہن بھی بے اماں ہو کر رہا
چھوڑ کر مٹی بنایا، جب گھروندہ برف کا

بدن میں پھیل گیا سرخ بیل کی مانند
وہ زخم سوکھتا کیا، جس کا چارہ گر ہی نہ تھا

ابھی تک بھائیوں میں دشمنی تھی
یہ ماں کے خون کا پیاسا ہو گیا کون

نجانے کونسا آسیب دل میں بستا ہے
کہ جو بھی ٹھہرا وہ آخر مکان چھوڑ گیا

لوگ نجانے کن راتوں کی مرادیں مانگا کرتے ہیں
اپنی رات تو وہ جو تیرے ساتھ گزر گئی جاناں

خاموشی کلام کر رہی ہے
جذبات کی مہر ہے سخن پر

موت کی آہت سنائی دے رہی ہے دل میں کیوں
کیا محبت سے بہت خالی یہ گھر ہونے کو ہے

آج تو اس پہ ٹھہرتی ہی نہ تھی آنکھ ذرا!
اسکے جاتے ہی نظر میں نے اتاری اسکی

بڑی امید تھی کار جہاں میں دل سے مگر
اسے تو تیری طلب میں خراب ہونا تھا

اس دل میں شوق دید زیادہ ہی ہو گیا
اس آنکھ میں مرے لئے انکار جب سے ہے

مجھ سے بھی اس کا ہے ویسا ہی سلوک
حال جو تیرا نا کرتی ہے

دل کی گنگ سرشاری اسکو جیت لے لیکن
عرض حال کرنے میں احتیاط ہو جائے

عشق نے سیکھ ہی لی وقت کی تقسیم کہ اب
وہ مجھے یاد تو آتا ہے مگر کام کے بعد

نقد وفا کو چشم خریدار کیا ملے
اس جنس کیلئے کوئی دوکان بھی نہ تھی

اس نے جلتی ہوئی پیشانی پر جب ہاتھ رکھا
روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی

اس کا انداز سخن سب سے جدا تھا شاید
بات لگتی ہوئی، لہجہ وہ مکرنے والا

اگر خلوص کی دولت کے گوشوارے بنیں
تو شہر بھر میں کوئی صاحب نصاب نہ ہو

جو میرے شو میں مجھ سے زیادہ بولتا ہے
میں اسکی بزم میں اک حرف زیر لب بھی نہیں

بے وفائی مری فطرت کے عناصر میں ہوئی
تیری بے مہری کو اسباب جگر پر رکھا

بے سرو سامان یہ دلداری کی چادر ڈالدی
بے درد دیوار تھی میں، مجھ کو گھر اس نے کیا

پھر روزہ مریم جو فقیہوں میں ہے مقبول
عاجز تھے بہت وہ مری گفتار کے آگے

میں اک اک تیر پہ خود ڈھال بنتی
اگر ہوتا وہ دشمن کی کماں سے

کھلا کسی پہ نہ جس کا کبھی سیاق و سباق
کتاب زیست میں وہ اقتباس بھی دیکھا

میں اس کے قول پر ایمان لا کر خوف میں ہوں
کہیں لہجے میں تو ظالم کے عیاری نہیں ہے

اب تک وہی نشہ پذیرائی
کل خواب میں اسکے گھر گئے تھے

اس چشم سرو مہر کے سب رنگ دیکھ کر
کیا اشتیاق عرض تمنا کو دیکھتی

سازو رخت بھجوا دیں حد شہر سے باہر
پھر سرنگ ڈالیں گے ہم محل سراؤں میں

کانٹا بھی یہاں کا برگ تر ہے
باہر کی کلی ببول تھوہر

اسوقت بھی خموش رہی چشم پوش رات
جب آخری رفیق بھی دشمن سے مل چکا!

ہم خود ہی تھے سوختہ مقدر
ہاں! آپ ستارہ گر ہی ٹھہرے

بن عکس آئینے کا ہنر بھی نہ کھل سکا
دکھ کے بغیر قلب و نظر کو جل کہاں

اب تک تو مرے شعر حوالہ رہے تیرا
میں اب تری رسوائی کا چرچا بھی تو دیکھوں

زندہ بچا نہ قتل ہوا طائر امید
اس تیر نیم کش کا نشانہ عجیب تھا

بچھڑ کے وہ مجھے لوٹا گیا ہے میرا وجود
یہ سانحہ مرے حق میں تو نیک فال ہی تھا

اس سے قبل بھی سائے کب قریب آئے تھے
اس نئے سفر میں بھی کام دھوپ ہی آئی

گلہ ہی کیا ہے اگر وہ بھی سبز چشم ہوا
طبیعتوں پہ تو چڑھتا رہا ہے دیر کا رنگ

دل عجب شہر کہ جس پر بھی کھلا در اس کا
وہ مسافر اسے ہر سمت سے برباد کرے

جن چیزوں کے ہرا رہنے کی دعا تھی
ان میں آج سے شامل زخم ہنر بھی ہے

پوچھا کسی نے مول تو حیران رہ گیا
اپنی نگاہ میں کوئی کتنا غریب تھا

ذرا سی کرگسوں کو آب و دانہ کی جو شہ ملی
عقاب سے خطاب کی ادا ہی اور ہو گئی

جبتک سجدہ اسکے نام پہ اسکے حضور ہے، تبتک ہے
کام خدا سے کیا یاد آیا ساری عبادت ختم ہوئی

بہت سے لوگ تھے مہمان میرے گھر لیکن
وہ جانتا تھا کہ ہے اہتمام کس کیلئے

مدت کے بعد چاند نے دستک بدن پہ دی
پھر حجلہ حیات میں آئی ہے خاص شب

ملے اس آنکھ کو بھی تیرے خواب کی اجرت
چراغ کشتہ کو اتنا صلہ ضروری ہے

قبولیت کی ہے ساعت تو اسکو مانگ ہی لیں
کہ یہ گھڑی کبھی بار دگر نہیں آتی

پھر ایک بار تجھی سے سوال کرنا ہے
نگاہ میں ترا منصب بحال کرنا ہے۔

اس نے خوشبو سے کرایا تھا تعارف میرا
اور پھر مجھ کو بکھیرا بھی ہوا ہی کی طرح

جو غم مل ہے بوجھ اٹھایا ہے اس کا خود
سرزیر بار ساغر و بادہ نہیں کیا

تکریم زندگی سے بھی اب دست کش ہیں ہم
اس سے زیادہ نذر گزاریں حضور کیا

وہ مجھ کو چھوڑ کے جس آدمی کے پاس گیا
برابری کا بھی ہوتا تو صبر آ جاتا

بھلا کے وہ ہمیں حیران ہے تو کیا کہ ابھی
اسی طرح کا ہمیں بھی کمال کرنا ہے

جو زیست کو معتبر بنا دے
ایسا کوئی سلسلہ نہیں ہے

کس طرح میری روح ہری کر گیا آخر
وہ زہر جسے جسم میں کھلتے نہیں دیکھا

گھروں پر جبریہ ہو گئی سفیدی
کوئی عزت آب آنے کو ہے

ہجوم رنگ میں بھی دل کا مسلک
کسی عہد وفا کی پاسداری

خود ڈھونڈ رہا ہے آب حیواں
اور پیچھے قبیلہ جاں بلب ہے